

شہادت

انر قلم: میرب حیات

نوٹ:-

اس ناول کے جملہ حقوق گروپ آف پرائم اردو ناولز کے نام محفوظ ہیں۔ لہذا اس تحریر کی کسی بھی دوسرے رسالے، ڈائجسٹ یا کسی ویب سائٹ پر کسی بھی شکل میں کاپی کرنا ممنوع ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

Copy rights reserved to:-

<https://primenovels.blogspot.com>

قسط نمبر: 20

تیرے کس کام کا ہوں....
 شہر فنا ہوں میں تیرے کس کام کا ہوں!-----
 ایک بجھتا سا دیا ہوں تیرے کس کام کا ہوں
 تجھ کو درکار ہیں پھولوں کے مہکتے ہوئے سائے
 میں تو صحرا میں کھڑا ہوں تیرے کس کام کا ہوں
 اے گل تار تیرا راستہ تکتے تکتے!-----

شاخ پہ سوکھ گیا ہوں
تیرے کس کام کا ہوں

تو بھی اوروں کی طرح مجھ سے کنارہ کر لے
ساری دنیا سے برا ہوں تیرے کس کام کا ہوں

سرخ آنکھوں کی پلکیں جھپکائے بنا وہ اس کی جانب دیکھ
رہا تھا جو اس کے بازو پر سر رکھے سو رہی
تھی۔ رخساروں پر آنسوؤں کے مٹے مٹے سے نشانات
تھے۔ آنکھوں کے پپوٹے سو جے ہوئے معلوم ہوتے

تھے۔ منصب نے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے بال سہلائے۔ وہ نیند میں ہی سسک اٹھی۔ اسے حقیقتاً تکلیف ہوئی تھی۔ اسے پالینے کے باوجود وہ کس قدر خالی تھا۔؟؟ اور شاید مرتے دم تک اسے یونہی خالی ہاتھ ہی رہنا تھا۔ یہ مہرماہ کی جسمانی کمزوری تھی یا سکون آور ادویات کا اثر کہ اس کے مقابل، اس کی قربت میں ناکام احتجاج کرتے کرتے وہ اسے برا بھلا کہتی نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔ کس قدر طلب۔؟؟ کس قدر چاہ تھی اسے اُس وجود کی جسے

آج وہ حاصل کر چکا تھا۔ لیکن کس قدر تشنہ لب تھا

وہ۔۔؟؟ اس قدر کے اسے چھونے کے بعد وہ مزید

پاگل ہو رہا تھا۔ دل مزید بے قرار ہوا تھا کہ اس

قربت میں الفت کہاں تھی۔۔؟؟

کلفت مفقود۔۔

زور زبردستی۔۔

چھینا جھپٹی۔۔؟ ایسا کب سوچا تھا اس نے۔۔؟ کہاں

تصور کیا تھا کہ وہ اس پری پیکر کے ساتھ یہ سلوک روا

رکھے گا۔؟ درد سے پھٹتے سر کو اس نے بے اختیار

مسلا تھا۔ اپنے بالوں میں انگلیاں پھنساتے ہوئے اس نے
 آہستگی سے آنکھیں موند لیں جن سے نیند آج کوسوں
 دور تھی۔

"تو آپ ہیں وہ شخص جس نے اس بچی کو اس حال تک
 پہنچایا ہے۔۔؟؟" اس چالیس سالہ سائیکاسٹرسٹ کی آواز
 اس کے آس پاس ہی کہیں گونجی تھی۔ اس کے سوال
 پر وہ لب بھینچنے پر مجبور ہوا تھا۔

"جی میں ہی اس کا مجرم ہوں۔۔!" شیشے کی میز پر اپنی
 ہتھیلیاں جماتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک مجرم ہمیشہ سزا کا حقدار ہوتا ہے۔۔؟" وہ شاید اس کی نفسیات سمجھنے کی بھی بھرپور کوشش کر رہی تھی تبھی گفتگو کی شروعات اس انداز میں کی تھی۔

"میں سزا کاٹ رہا ہوں۔۔!" مقابل کی جانب دیکھتے ہوئے منصب نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اسے کاٹے۔۔ کیونکہ جو حالات ہیں آپ کبھی یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ 'میں سزا کاٹ چکا ہوں' کیونکہ

آپ کو یہ سزا تا عمر کاٹتے ہی رہنا ہے۔۔ شاید اپنی
آخری سانس تک، منصب عالم شاہ۔۔!" اس کی جانب
سنجیدگی سے دیکھتی وہ پیشہ ورانہ انداز میں بول رہی
تھی۔

"تو کیا کروں۔۔؟ اگر میرے مرنے سے اُس کی اذیت
ختم ہو سکتی ہے تو مجھے بتائیے لمحہ نہیں لگاؤں گا اور خود
کو ختم کر لوں گا۔۔!" اس عورت کی جانب دیکھتا وہ
مکمل سنجیدگی سے بولا۔

"آپ کا مرجانا اس مسئلے کا حل نہیں ہے مسٹر منصب۔۔۔ آپ مریں یا جئیں، اگر آپ اس لڑکی کو جینے کی کوئی وجہ نہیں دیں گے تو وہ بہت جلد مر جائے گی۔!" منصب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی وہ اس کے جسم سے روح کھینچ گئی تھی۔ اُس کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔ یہ سوچ ہی جان لیوا تھی کہ وہ مر سکتی ہے۔

"اگر اس لڑکی کا نروس بریک ڈاؤن نہ ہوتا تو وہ تب بھی اس ہاسپٹل میں موجود ہوتی مسٹر شاہ۔۔۔ پتہ ہے

کیوں۔۔؟؟" وہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھی۔
 منصب نے ساکت نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔
 "کیونکہ وہ یقیناً سوسائٹیڈ اٹمیپٹ کر لیتی۔۔!" اس نے
 کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ منصب کو اپنے سر میں
 ٹیسیں سی اٹھتی محسوس ہوئیں۔۔
 "اور یہ مت سمجھیے کہ آپ سے نکاح کے بعد وہ ایسا
 نہیں کرے گی، وہ ایسا کرے گی۔۔ وہ جب تک مر
 نہیں جائے گی وہ تب تک سوسائٹیڈ اٹمیپٹ کرے

گی۔۔!"میز پر رکھا پیپر ویٹ گھماتے ہوئے وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔۔

"میں کیا کروں۔۔ مجھے اس کا حل بتائیں میں اس کی موت برداشت نہیں کر سکتا۔!"میز پر ہتھیلیاں جمائے وہ شکست خوردہ انداز میں بولا۔

"میں آپ کو بتا چکی ہوں۔۔ اپنی بیوی کو جینے کی کوئی وجہ دیں۔۔!"اس کی جانب دیکھتی وہ رسائیت سے گویا ہوئی۔ منصب نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیسی وجہ۔۔؟؟"

"آپ مرد ہیں اور اب تو شادی شدہ ہیں۔۔ آپ کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ایک عورت پر اگر پوری دنیا بھی تنگ پڑ جائے تو اس کے لیے جینے کی واحد وجہ اس کی اولاد ہوتی ہے۔۔!" اس کی الجھن کو مقابل نے قدرے سخت لہجے میں سلجھایا تھا۔ اس کی بات سن کر منصب کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔

"آر یو سیریس ڈاکٹر۔۔؟ آپ کو لگتا ہے کہ وہ ابھی اس مرحلے کو ایکسیپٹ کر سکے گی۔۔؟ وہ مجھ سے مزید نفرت کرے گی مجھے ہوس کا پجاری، نفس کا غلام سمجھے

گی۔۔ میں اسے پا چکا ہوں اب کھونا نہیں چاہتا
 ڈاکٹر۔۔ پلیز گیو سم سینسیبل ایڈوائس۔۔!" ناپسندیدگی
 سے اسے گھورتا وہ درشت لہجے میں بولا۔ انداز بے لچک
 تھا۔

"اوہ ریٹی۔۔؟ آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے اسے پالیا
 ہے۔۔؟ کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں آپ۔۔؟؟ مسٹر
 منصب عالم شاہ آپ کی بیوی، آپ کی "نہیں ہو سکتی" نہ
 آج، اور نہ ہی کل۔۔۔ وہ لڑکی آپ کی نہیں ہے یہ
 جان لیں آپ۔۔!" دوسری مرتبہ اس عورت نے

منصب کی جان نکالی تھی۔ وہ حیرت زدہ سا اسے تکتا رہ گیا تھا۔

"اگر آپ اپنی بات کر رہے ہیں تو ایک سال، دو سال، دس سال۔۔ دس سال تو کیا اگر آپ اگلے پچاس سال بھی اس لڑکی سے اپنے کیے گناہ کی معافی مانگتے رہیں تو وہ آپ کو قبول نہیں کرے گی۔۔ آپ سے انسپائر ہو کر وہ شاید آپ کو معاف کر دے، ہو سکتا ہے اسے آپ سے محبت بھی ہو جائے لیکن وہ تب بھی آپ کو قبول نہیں کرے گی۔۔ اور وہ غلط نہیں ہوگی، ایک

عورت کیونکر ایسے مرد سے محبت پر فخر کرے گی جس نے پوری دنیا کے سامنے اس کی عزت کو تار تار کر دیا۔۔۔؟؟ ممکن ہے کہ وہ اس شرمندگی سے ہی خود کو مار لے کہ اسے آپ جیسے شخص سے محبت ہوئی۔۔۔!"

اس نے کافی بے دردی سے حقیقت کا تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اگلے ایک سال تک وہ زندہ کیسے رہے گی۔۔۔؟ پچاس سال تو بہت دور کی بات ہے۔۔۔!" وہ خاموش نہیں ہو رہی تھی اور اس کے الفاظ

کو سوچتے ہوئے منصب کو پھر سے اپنی آنکھوں میں نمی محسوس ہوئی۔۔ بھگتی پلکیں جھپکاتے ہوئے اس نے اپنے قریب مہرماہ کا چہرہ دیکھنا چاہا جو دھندلا رہا تھا لیکن اس لیڈی سائیکاسٹرسٹ کی آواز نے اسے پھر سے سات دن پیچھے دھکیل ڈالا تھا۔۔

"آپ کی آنکھوں کی نمی میرا دل موم کر سکتی ہے لیکن وہ لڑکی پتھر ہو چکی ہے۔۔ اب آپ کو فیصلہ کرنا ہے کہ آپ کو اپنی بیوی کی زندگی بچانی ہے یا اس کی نظروں میں اپنی امیج۔۔؟؟" اس کے سوال میں کوئی

الجھاؤ نہیں تھا کوئی ابہام نہیں تھا۔ اس کے دل نے اپنے بلکتے جذبات پر پاؤں رکھ کر لمحے میں مہرماہ حسین کے حق میں فیصلہ سنایا تھا۔

"آپ جو کہیں گی میں کروں گا۔!" منصب نے بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

"گڈ۔۔ آپ پہلے دن ہی اس لڑکی پر غلبہ پائیں گے شاہ صاحب اس سے اس لڑکی میں آپ کے لیے نفرت کے جذبات ابھریں گے، اس کے بعد وہ خود کو مارنے کی بجائے آپ کو مارنے کی خواہش کرے گی۔۔ آپ یہ

برداشت کر لیں گے ناں۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے وہ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ منصب نے بامشکل اثبات میں سر ہلایا۔۔

"آپ اس سے معافی نہیں مانگیں گے، لیکن ہر پل اسے اپنی محبت کا احساس دلانے کی کوشش کریں گے، اپنے رویے سے اپنے الفاظ سے۔۔ اپنے کردار سے۔۔ اسے احساس دلائیے کہ ماضی سے زیادہ اہم حال، اور مستقبل ہے وہ حال جس میں آپ اس سے محبت کرتے ہیں اور

وہ مستقبل جس میں آپ اس سے عشق کریں گے۔۔!"

وہ اب کی مرتبہ مدھم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔۔

"اس سے معافی مانگے بغیر میرے لیے جینا مشکل ہو جائے گا۔۔!" منصب نے احتجاجاً کہا۔۔

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یا تو اپنے لیے سوچ لیں یا پھر اپنی بیوی کے لیے۔۔!" مقابل نے اسے لاجواب کیا تھا۔

"اگر آپ اس سے معافی مانگ لیتے ہیں تو وہ معافی اس کے لیے بے وقعت ہوگی، اسے آپ کی معافی کی

ضرورت نہیں ہے لیکن جب آپ دن رات اس سے
اظہار محبت کریں گے تو ایک نہ ایک دن وہ یہ سوچنے
پر مجبور ہو جائے گی کہ یہ کیسی محبت ہے جس میں آپ
اپنے گزشتہ رویے پر نادم ہی نہیں۔۔؟ جس دن یہ
سوچ اس کے ذہن میں ابھر کر زبان سے ادا ہوئی سمجھ
لیجئے گا کہ آپ کامیاب ہو گئے ہیں۔۔ کیونکہ وہ آپ کی
محبت کے بارے میں سوچے گی تب ہی اسے معافی کی
ضرورت بھی محسوس ہوگی۔۔ اس کے بعد وہ جیے گی
بھی۔۔ ایک وقت آئے گا کہ آپ کو معاف بھی

کردے گی اور بالآخر آپ سے محبت بھی کرے گی۔۔۔!" اس تمام تر گفتگو میں اس عورت نے پہلی بار اسے امید کی کوئی کرن تھمائی تھی۔۔۔

"کیا سچ میں۔۔۔؟ وہ مجھ سے محبت کرے گی۔۔۔؟؟"

منصب بے یقین سا ہوا۔

"یقیناً لیکن اقرار کرنا یا نہ کرنا اس پر منحصر ہے۔۔۔ مجھے

نہیں لگتا کہ وہ آپ سے محبت کے بعد خود کو اس

احساس کمتری سے آزاد کروا سکے گی کہ اس کے دل

نے آپ کو چنا۔۔۔ اور اگر یہ احساس کمتری اس کے

ساتھ رہا تو وہ شاید آخری سانس تک آپ کے سامنے
 اپنی محبت کا اظہار نہ کرے۔۔ جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں
 کہ آپ کی بیوی۔۔ آپ کی نہیں ہو سکتی۔۔!" الفاظ تھے
 یا تیر۔۔ اس کے سینے میں پیوست ہوئے تھے۔ کتنے ہی
 پل وہ کچھ بول نہ سکا۔ پھر جب بولا تو اس کی آواز
 بھپک چکی تھی
 "تھینکس ڈاکٹر۔۔!" وہ بامشکل کہہ پایا تھا۔

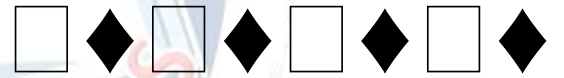
"اگر آپ پہلے ہی روز اس کو وہی تاثر دیں جیسا کہ میں
 نے آپ کو سنجیسٹ کیا ہے تو یہ زیادہ بہتر ہے ورنہ جو

آپ پہلے روز نہیں کر پائیں گے وہ اس کے بعد بھی
 نہیں کر پائیں گے کیونکہ اتنا تو میں جان چکی ہوں کہ وہ
 لڑکی آپ کی کمزوری ہے۔۔!" وہ مہرماہ کے ساتھ ساتھ
 اس کی ذات کا پہلو بھی اس پر واضح کر گئی تھی۔
 ہاں وہ اُس کی کمزوری تھی، دکھتی ہوئی وہ رگ جس کے
 کٹ جانے کا خوف موت سے بھی بدتر تھا۔۔ وہ رگ
 جس کا دکھ وہ تا عمر سینے سے لگا کر رکھنے کو تیار تھا۔
 منصب نے آنکھوں کے نم ہوتے گوشے سختی سے
 رگڑے۔۔ سرخ آنکھوں نے ایک بار پھر وہ چہرہ دیکھا

تھا، اس سے تمام تر نفرت کے باوجود وہ اسی کے بازو پر سر رکھے محو استراحت تھی۔۔ وہ جھکا اور آہستگی سے اس کے گال پر بوسہ دیا جہاں آنسوؤں کے مٹے مٹے سے نشانات باقی تھے۔۔ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اس کی پیشانی سہلائی تو وہ نیند میں ہی کسمائی۔۔ پلکیں ناگواری کے احساس تلے لرز اٹھیں، چہرے پر خوف جیسا کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔

"وہ آپ کو جابر سمجھے گی، لٹیرا سمجھے گی لیکن خود کو وکٹم نہیں سمجھے گی کیونکہ کہیں نہ کہیں اس کے لاشعور میں یہ بات ہو گی کہ آپ اس کے شوہر ہیں اور وہ گناہگار نہیں ہوئی۔۔!" ایک آخری تسلی جو اس عورت نے اسے دی تھی اس نے منصب کو گہرا سانس بھرنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب جو تاثر مہرماہ کے چہرے پر ابھر رہے تھے ان سے واضح تھا کہ وہ سائیکاٹرسٹ کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی۔ احتیاط سے اس کا سر اپنے بازو سے ہٹا کر تکیے پر رکھ کر وہ اس سے دور ہو گیا۔ گھڑی

کی جانب دیکھا، فجر کا وقت ابھی دور سہی لیکن تہجد کا قریب ہی تھا۔ سو وہ تہجد کی ادائیگی کی غرض سے بیڈ سے اتر ا اور واش روم میں جا گھسا۔ اب اسے اپنے رب سے اپنے لیے صبر مانگنا تھا۔ ہمت اور حوصلے کی درخواست کرنا تھی۔



زمانہ لاکھ بدلے پر زمانے کی روایت ہے انہی رستوں پہ خوش رہنا جنہیں ہم سے عداوت ہے مجھے اُس کی، اُسے اُس کی، اُسے اُس کی ضرورت ہے سوائے اِس مصیبت کے یہ دنیا خوبصورت ہے

غم ہستی غم بستی، غم دوراں، غم ہجراں
 محبت میں سبھی کچھ بھول جانے کی سہولت ہے
 عنایت ہے، حماقت ہے، مروت ہے کہ رغبت ہے
 الجھنا ایسی فکروں سے محبت کی علامت ہے
 چلو اچھا ہے دونوں نے بھرم رکھا نہ وعدوں کا
 بچھڑ کے زندہ رہنا ہی متانت ہے، ذہانت ہے
 مکر جانا، بدل جانا، جفا کرنا، بچھڑ جانا
 کچھ ایسے حادثوں کا نام ہی ابرک محبت ہے

"سس۔۔سی۔۔" ہوا کے سنگ ٹمٹماتے لائٹر کے شعلے
 نے اس کے انگوٹھے کو سرخ کر ڈالا تو لائٹر کے بٹن
 سے دباؤ ہٹاتے ہوئے بے اختیار اس کے لبوں سے
 سکری نکلی تھی۔ آنکھیں ایک بار پھر اندھیرے کو
 گھورنے لگیں۔۔ اس کی قسمت میں شاید یہ اندھیرا ہی
 لکھا جا چکا تھا۔ کیونکہ لائٹر بھی اب جواب دینے کو
 تھا۔۔ علیشہ کے پاس شام کے بعد پھیل جانے والے
 اندھیرے کا کوئی حل نہ تھا لیکن آج اس نے دن ہی
 میں موم بتی کی تلاش میں پورا کچن چھان مارا تھا نتیجتاً

اس کے ہاتھ دو تین لائٹر لگ گئے تھے۔۔ سو شام کے رخصت ہوتے ہی وہ لائٹر مٹھیوں میں دبائے فارم ہاؤس کی عمارت سے باہر اپنی مخصوص جگہ پر آ بیٹھی تھی۔ جو احسان عظیم وہ ہفتہ بھر پہلے اس پر کر کے گیا تھا اس میں پانی کی دن رات فراہمی اور کچن تک اس کی رسائی تھی۔۔ ایسی رسائی جس نے اس کا پیٹ بھرنے کی بجائے اس کے ہاتھ اور کلائیوں کو زخموں سے بھر دیا تھا۔۔ فریج ہنوز لاکڈ تھا۔ مختلف دالوں اور آٹے کے سوا چند مصالحہ جات تھے جو اس کی اوقات کو متعین کر کے

کچن میں رکھے گئے تھے۔ جن میں سے کسی ایک چیز کے استعمال سے بھی وہ واقف نہ تھی۔ ملازم پرانی روٹین کے مطابق صبح چھ سے شام چھ بجے تک پہلے سے صاف ستھرے فارم ہاؤس کی دوبارہ صفائی اور دیکھ بھال میں مصروف رہتے پھر شام ہوتے ہی پچھلے لان کے آخر میں بنے اپنے کوارٹرز کو لوٹ جاتے۔ وہ نور دین نامی ملازم کی بیوی کو مخاطب کر کے تھک جاتی لیکن وہ علیشہ چوہان کی پکار سن کر گونگی بہری بن جاتی۔ جب پہلی بار اس کا ہاتھ جلا تو اس نے چیخ چیخ کر فارم

ہاؤس سر پر اٹھا لیا لیکن وہاں کسی کو اپنی جانب متوجہ نہ پا کر وہ خود ہی اپنی تکلیف پر سسکیاں بھرتی خاموش ہو گئی تھی۔ پھر کھانا بنانے کی ناکام کوشش میں اس کا ہاتھ تو کبھی بازو بارہا جلا تھا وہ خود ہی گھٹ گھٹ کر رو لیتی، وہ رو لیتی تھی کیونکہ وہ رونا سیکھ چکی تھی۔ آنسوؤں کا ذائقہ اسے ازبر ہو چکا تھا۔ گزشتہ تمام دنوں کے برعکس آج موسم قدرے خوشگوار تھا، ہولے ہولے چلتی ہوا اب تیز رخ اختیار کرتی چلی جا رہی تھی۔ سارا دن گرمی سے بے حال ہونے کے بعد اب موسم کی

اس بدلتی کروٹ نے اسے پرسکون کرنے کی بجائے مزید بے چین کیا تھا۔ اپنا شاندار ماضی اس کی آنکھوں میں گھومنے لگا۔ آسمان کے سینے سے گرتی پہلی بوند اس کے چہرے پر ٹپکی تو خوشی کی بجائے تفکر نے اس کے وجود کا گھیراؤ کر لیا۔ پہننے کے لیے جو دو لباس اس کے لیے میسر تھے اُن میں سے ایک میلا تھا جبکہ دوسرا وہ پہنے ہوئی تھی۔ اگر وہ بارش میں بھیگ جاتی تو پھر کیا پہنتی۔؟؟ آسمان کی جانب ایک بھرائی ہوئی نظر ڈال کر اس نے دوسری نظر فارم ہاؤس کی عمارت کی جانب

ڈالی۔ اندھیرے میں ڈوبی وہ عمارت دہشت ناک منظر
پیش کر رہی تھی۔۔ بے باک و بے خوف ہونے کے
باوجود وہ خود میں اندر جانے کی ہمت نہیں کر پارہی
تھی۔۔

ٹپ۔۔ ٹپ۔۔ آسمان سے گرتی بوندوں کی رفتار میں
تیزی آنے لگی۔۔ اس نے آنکھوں کے سامنے تنتی دھند
کی چادر کو انگلیوں سے رگڑتے ہوئے دور گرل کے پار
دیکھنے کی کوشش کی۔۔ وہی خونخوار جانور اپنے وجود کو
جھٹکتے جھاڑیوں میں ہلچل پیدا کر رہے تھے۔ علیشہ نے

اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ شیلڈ نام کی کوئی چیز اس عمارت سے ملحق نہ تھی۔۔ آسمان سے برستی تیز بارش اسے بھگونے لگی تو وہ ہمت کرتی اٹھی اور عمارت کی جانب بڑھی۔ اندر سے منہ پھاڑے کھڑے اندھیرے کی ہولناکی سے گھبراتی وہ رک گئی۔ اپنی بے بسی پر ایک بار پھر رونا آیا۔۔ اب تو چاند کی روشنی سے مبرا فقط رات کی مدھم تاریکی ہی تھی جو چہار سُو پھیلی ہوئی تھی اس پر مستزاد تیز برستی بارش۔۔ بھوک سے پیٹ میں الگ مروڑ اٹھ رہے تھے۔۔ وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔۔ بارش

کے شور میں اس کی حلق سے نکلتی مدھم چنچیں دب سی گئی تھیں۔ پل میں وہ پوری بھیگ گئی تھی۔۔

"کیا میں یونہی گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی۔۔؟؟" وہ

روتے روتے چیخی۔ لیکن اسے اندازہ ہوا کہ اس کا

مخاطب وہاں کوئی نہیں ہے۔ گرل کے پار جھاڑیوں میں

بھی ہلچل رک چکی تھی۔ شاید وہ دونوں جانور کسی محفوظ

کونے میں پناہ لے چکے تھے لیکن وہ تو انسان تھی۔۔؟؟

وہ کس قدر بے بس تھی کہ اس کے پاس کوئی جائے

پناہ نہ تھی۔۔؟ اس کی چنچیں اس کے اندر کا شور سننے

کو کوئی نہ تھا۔ اس سوچ نے اس کی روح کھینچ لی۔ علیشہ کھڑی ہوئی اور وحشت زدہ سی گرل کی جانب بھاگی۔

"کوئی ہے۔۔؟؟ ہے کوئی یہاں۔۔؟؟" وہ روتے روتے
 بری طرح چیخی۔ لیکن جواب نہ ارد۔
 "کوئی سن رہا ہے مجھے۔۔؟؟ پلیز کوئی تو جواب دے۔۔
 ہے کوئی۔۔؟؟؟" وہ پاگل ہو رہی تھی۔۔ بارش کے
 قطروں کی تیزی سے زیادہ رفتار سے اس کے آنسو اس
 کے گالوں پر پھسل رہے تھے۔ کیسی اذیت تھی۔۔؟

کیسی بے بسی تھی۔۔؟؟ اس کی ہمت تو ایک ہفتے میں ختم ہو گئی تھی۔ بچا ہی کیا تھا اس کے پاس۔۔؟ رہا ہی کیا تھا۔۔؟؟

"پلیز مجھے سنو۔۔ کوئی تو سنو میں مر جاؤں گی پلیز سن لو۔۔!" گرل کو مٹھیوں میں جکڑ کر اسے ہلاتی وہ چلائی۔۔ دل آج درد سے پھٹنے کو تھا۔۔ برستے بادل اچانک گرے تو وہ سہم کر گرل سے دور ہوئی۔ تو یہ سہنا بھی اس کے نصیب میں لکھا جا چکا تھا۔۔؟؟

"اللہ۔۔۔۔!" بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھتی علیشہ کے لبوں نے بے اختیار اس نام کو پکارا تو اس کا دھڑکتا دل پل بھر کو ساکت رہ گیا۔ کسے پکار بیٹھی تھی وہ۔؟؟ وہ جو ہر پل اس کے ساتھ تھا۔؟ وہ جس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہ رو رہی تھی۔؟؟ کیوں۔۔؟؟ اسے اپنا غم کہنے کے لیے کسی غیر اللہ کی سماعت کی بھلا کیونکر ضرورت تھی۔؟ سن کر مشکل کا حل نکالنے والی ذات تو اللہ کی تھی پھر وہ کیوں چیخ رہی تھی۔؟؟؟ اس سوچ کے آتے ہی اس کے بہتے آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ

ہوا تھا۔ لرزتے ہاتھوں کو معافی کے سے انداز میں
جوڑتے ہوئے اس نے پیشانی سے لگا لیا۔ سسکیاں لبوں
پر ٹوٹی اس کی بے بسی عیاں کر رہی تھیں۔
"میرا غرور ٹوٹ گیا۔!" وہ بلک رہی تھی۔
"میں خود ٹوٹ گئی اللہ۔!!" اس پل وہ کوئی چھوٹی سی
بچی لگ رہی تھی۔
"اُس۔۔۔ اُس نے مجھے توڑ دیا۔!" سسکتے لبوں
سے شکوہ پھسلا تھا۔ آنکھوں کی اذیت بتاتی تھی کہ دل

میں موجود اس ظالم کی محبت بلبلا اٹھی ہے جسے سلائے
وہ بظاہر پتھر بنی بیٹھی تھی۔

"کیوں کیا اس نے ایسا۔۔۔؟؟ کیوں۔۔؟ اسے رحم نہیں
آتا۔۔۔؟؟ ترس نہیں آتا مجھ پر۔۔۔؟؟؟" وہ اس
پل سادگی کی انتہاؤں پر تھی۔ بارش مزید زور پکڑتی
چلی جا رہی تھی۔

"میں نے تو اُس سے محبت کی تھی۔ کیا میری محبت
اتنی کمزور تھی کہ اس کا پتھر دل ایک پل کو بھی اسے
محسوس نہ کر سکا۔۔۔؟؟؟ کیا ایک پل کو بھی

نہیں۔۔۔؟؟؟؟" وہ پاگل ہو رہی تھی۔۔ ایک بار پھر
 تڑپ رہی تھی۔ کیسے ہمت جٹاتی۔۔؟؟ کیسے لبوں پر قفل
 ڈالتی۔۔؟ کیسے اُن آنکھوں کو بہنے سے روکتی جن میں
 اس شخص کا عکس تھا۔۔ چہرہ بدل گیا تھا لیکن وہ تھا تو
 وہی۔۔۔؟؟ وہی بے مہر جسے اس کے دل نے سب سے
 اونچی مسند پر بٹھایا تھا۔
 "کیا محبت اتنا ہی ارزاں جذبہ ہے کہ محبوب کے دل
 پر اپنے نقش ہی نہ چھوڑ سکے۔۔۔؟؟؟" وہ بے یقین سی
 تھی۔

اپنی پیشانی سے جڑے ہاتھ کھول کر اپنی ہتھیلوں کو
گھورتی وہ اس پل تکلیف کی انتہاؤں پر تھی۔ ہتھیلوں
میں جمع ہوتے پانی کے باعث وہ لکیروں کا جال دیکھنے
سے قاصر تھی۔ چہرے پر ہاتھ رکھتی وہ سجدے کے سے
انداز میں وہیں گھاس پر جھک گئی۔ اپنی پیٹھ پر اسے
بارش کی موٹی موٹی بوندوں کی چبھن محسوس ہو رہی تھی
لیکن روح میں چبھتی بے چینیوں نے اسے سر اٹھانے کی
اجازت نہ دی تھی۔ اپنے آپ سے بے بہرہ آس پاس
سے بے نیاز وہ جانے کتنی دیر یونہی سجدے کی سی

حالت میں جھکی رہی جب قدموں کی آہٹ کے ساتھ ہی گرل کھلنے کی تیز آواز نے اسے سیدھا ہونے پر مجبور کر دیا۔ سامنے دیکھتے ہی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے اس کی آنکھیں چندھیا ڈالیں۔۔ بوتل میں سے جن کی طرح حاضر ہونے والے چوکیدار گرل کھول کر غائب ہو چکے تھے۔۔ ہارن دینے کی بجائے بدر نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس آف کیں اور خود باہر نکل آیا۔ بارش کی تیز بوچھاڑ نے اسے علیشہ تک آنے میں ہی بھگو ڈالا تھا۔

اسے سامنے دیکھ کر وہ سرعت سے کھڑی ہوتی اس کے مقابل آئی تھی۔

"کس بات کی سزا دے رہے ہیں مجھے۔۔؟؟ کیا گناہ کیا ہے میں نے۔۔؟؟؟" اس کی شرٹ کا کالر مٹھیوں میں جکڑتی وہ روتے ہوئے چیخی۔

"اگر شیٹ کا بدلہ لینا چاہتے ہیں تو بہت ہو چکا بدر لغاری۔۔ آپ جیت چکے ہیں، مجھے اپنا وجود، اپنی زندگی اپنے آس پاس کی ہر شے بد صورت نظر آنے لگی ہے لیکن شمس۔۔۔ شمس آج بھی اتنا ہی خوبصورت نظر

آتا ہے کیوں۔۔۔۔۔؟؟؟ کیوں ہے میرے ساتھ
ایسا۔۔۔۔۔؟؟؟" اسے جھنجھوڑتی وہ بکھر رہی تھی۔۔۔۔۔
لب بھینچے خاموش نگاہوں سے اس کا بھیگا چہرہ دیکھ رہا
تھا۔۔۔

"اگر اب بھی دل نہیں بھرا تو یوں کریں میرے چہرے
پر تیزاب پھینک دیں۔۔۔ میرا وجود جھلسا ڈالیں شاید پھر
آپ کو سکون مل جائے لیکن خدا کا واسطہ ہے اگر شمس
لغاری نے ایک پل کو مجھ سے محبت کی ہے تو مجھے میرا
شمس لغاری لوٹا دیں۔۔۔ میں ہر اذیت برداشت کر سکتی

ہوں لیکن شمس کی بے حسی نہیں۔۔!" پانگلوں کے سے
انداز میں کہتی علیشہ کے ہاتھ اس کی شرٹ کی کالر
مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے یوں جیسے اس کے چھن
جانے کا خوف ہو۔۔

"یاد ہے آپ کو۔۔؟ یاد ہے ناں۔۔؟ شمس تو ہواؤں
کو بھی مجھے چھونے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔۔؟ یاد ہے
وہ جیکٹ۔۔؟ وہ بارش۔۔؟ یاد ہے کچھ یا نہیں۔۔۔۔؟؟؟"
وہ اس پتھر سے سر ٹکراتی آج موم ہو رہی تھی۔۔ پگھل

رہی تھی اور وہ گلشیر کی مانند منجمد سا اپنی جگہ خاموش
کھڑا تھا۔

"مجھے مار دیں لیکن ایک بار کہہ دیں کہ شمس نے مجھ
سے محبت کی ہے، میرا پورا وجود داغ دیں لیکن اقرار
کر لیں کہ مجھ سے آپکا وہ اظہار محبت جھوٹ نہیں
تھا۔!" وہ اس پل اپنے آپ میں نہیں لگ رہی
تھی۔ گیلے بال چھوٹے ہونے کے باعث اس کے چہرے
کے اطراف میں چپکے ہوئے تھے جن کے باعث وہ پہلے
سے بڑھ کر معصوم لگ رہی تھی۔ اس پل مقابل

کھڑی وہ لڑکی پتھر کا بت نہیں، موم کی گڑیا ہو گئی
تھی۔ ہیرے کی مانند مغرور نہیں، کانچ کی مانند کمزور لگ
رہی تھی۔۔ اپنی انا، اپنا غرور وہ طنطنہ، تمام تراکڑ سائیڈ
پر رکھ کر اس کے سامنے محبت کشکول لیے کھڑی تھی۔
وہ محبت جسے بدر لغاری کے دل نے اسے دیکھنے کے بعد
پل پل محسوس کیا تھا۔ کیا آسان تھا اسے دھتکار
دینا۔؟؟ یہ سہل تھا اس کے نازک وجود کو جھٹک
دینا۔؟؟ بارش میں بھگتے بدر کی آنکھیں سرخ ہو
گئیں۔

"آئی تھنک ایم ان لو ببا۔۔!" شیت کی مسکاتی آواز اس کے بہت پاس ابھری تھی۔

"بولیے ناں۔۔۔؟؟؟؟" وہ علیشہ چوہان نہیں رہی تھی۔۔ وہ شمس کی محبت میں پاگل یونیورسٹی کی راہداریوں میں منڈلاتی وہی تتلی لگ رہی تھی جس کے دلفریب رنگوں نے اس کا دل لوٹ لیا تھا۔ بدر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بھگے رخسار کو چھوا اور اس پر پھسلتے ایک نمکین قطرے کو انگلی کے پور پر چن لیا۔

"مجھے تم سے نفرت ہے علیشہ لغاری۔۔ بے تحاشا۔۔
 شمار۔۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ برف اور آنکھیں خون رنگ
 ہو رہی تھی۔ چہرہ کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری تھا۔
 اس کے جواب پر علیشہ نے ساکت نظروں سے اس کی
 جانب دیکھا۔ اسے شدت سے احساس ہوا کہ مقابل
 لفظوں سے ہی جان نکالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
 "بس۔۔؟ اتنی ہی ہمت تھی تم میں۔۔؟ کہا تھا ناں ہار
 جاؤ گی۔۔؟ ہار گئیں ناں۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے وہ اسے
 اذیت کی گہری کھائیوں میں دھکیل گیا تھا۔ اس کے

ہاتھوں کی گرفت بدر کی شرٹ کی کالر پر ڈھیلی پڑ گئی۔
 بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پھسل کر اپنے پہلو سے جا
 لگے۔۔ برستی بارش میں اس کی آنکھ کے آنسو خشک پڑ
 گئے۔۔

کتنا ظالم۔۔۔ کتنا سفاک تھا وہ۔۔۔؟؟
 "جھوٹ بولتے ہیں آپ۔۔۔!" اس کی آنکھوں میں
 دیکھتی علیشہ کے لب پھڑپھڑائے۔ لہجہ کمزور تھا۔
 "سچ جب برداشت نہ ہو رہا ہو تو وہ جھوٹ ہی لگتا
 ہے۔۔۔!" بدر کا لہجہ سرد تھا۔ وہ بکھر سی گئی۔ بے اختیار

دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ بارش کا زور ٹوٹنے کا نام نہ لے رہا تھا لیکن اس کا وجود صحرا ہو چکا تھا۔

"تم چاہو تو اس موسم کو انجوائے کرتی رہو اور اگر چاہو تو آج کی رات سکون کی نیند لے لو۔۔ کیونکہ کل سے پھر تمہارے مقدر میں یہی اندھیرا ہو گا۔!" وہ صاف لفظوں میں اس پر اپنی وہاں موجودگی کی اہمیت واضح کر رہا تھا۔ اور سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ۔۔ بدر لغاری کے اس عمارت میں داخل ہوتے ہی وہ عمارت روشنیوں میں نہا جایا کرتی تھی۔۔

"اس سے تو بہتر ہے کہ آپ مجھے حس بصیرت سے محروم کر دیں۔۔۔ روز روز کی اذیت سے تو جان چھوٹے گی۔۔۔!" لہجے کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتی وہ مدھم سلگتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ایسا کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے علیشہ چوہان۔۔۔ لیکن تمہیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ تمہاری تاریک دنیا میں روشنی کا واحد مینار سردار بدر لغاری ہے۔۔۔!" علیشہ کی جانب دیکھتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو علیشہ کے اندر

ایک قندیل سی جل اٹھی۔۔ اس کی ویران آنکھوں میں جھلمھل کرتا پانی چمکتا ہوا معلوم ہونے لگا۔

"علیشہ لغاری۔۔!" سر بلند کرتے ہوئے علیشہ نے اس کی تصحیح کی۔ نتیجتاً بدر کی پیشانی پر ناگوار سلوٹیں ابھر آئیں۔ لب بھینچتا وہ اس کے پاس سے گزر گیا۔

"اور رہی بات میری تاریک دنیا کی تو۔۔ اگر آپ ہی کو تسخیر کر لوں تو۔۔؟؟ کیا پھر اس مینار کی ساری روشنی میری ہو گی۔۔؟؟؟؟" اس کے بھگتے لہجے میں کیے گئے سوال پر بدر کے قدم پل بھر کو رکے تھے۔ وہ جو پہلے

ہی اپنے اندر برپا ہوتی جنگ سے نبرد آزما ہو رہا تھا اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتا اس کی جانب پلٹا۔

"مجھ سے جیتنے کے لیے کافی چپ طریقہ اختیار کرنے کا

سوچ رہی ہو تم۔۔!" ایک اور تھپڑ۔۔ وہ اس کے

جذبات کی توہین کر کے اب اس کی بچی کچھی عزت نفس کو بھی پیروں تلے کچل رہا تھا۔

"مقابلہ اگر ہتھیار ڈال دے، تو میں وہیں مقابلہ ختم

کر دیتا ہوں۔۔ تمہارے اور میرے مابین بھی مقابلہ ختم

ہو چکا ہے، تم ہار چکی ہو اب آئندہ میرے مقابل

آنے کی جرات مت کرنا ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود
 ہو گی!" شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا وہ اس
 بار مزید کچھ سنے بغیر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔
 "ظالم۔۔۔ سفاک۔۔۔!" وہ حلق کے بل چلائی۔۔۔ وہ بنا
 اثر لیے اس سے دور ہوتا چلا آگیا۔ معاً اسے اپنی پشت
 پر روشنی کا احساس ہوا۔ بدر کی گاڑی سنبھال چکے ڈرائیور
 نے ہارن بجایا۔ اشارہ صاف تھا۔ اسے سامنے سے ہٹنا تھا۔
 وہ بوجھل قدموں سے سائیڈ پر ہو گئی۔ ہاں وہ ہار گئی
 تھی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اب وہ اس شخص کے مقابل

آنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی لیکن مقابل کو اپنے مقابل
 آنے کے لیے مجبور کر دینے کا ارادہ کر چکی تھی۔۔ وہ
 ایسا کر چکی تھی کیونکہ اب وہ علیشہ بدر لغاری تھی۔



مجھے تنہائی کے دکھ نے

بہت حیران رکھا ہے !

حقیقت اس طرح سے ہے

حقیقت اس طرح سے ہے

میں کوئی بات بھی سوچوں

میں اپنی ذات کو کھوجوں

سمجہ میں کچہ نہیں آتا !

نظر بھی کچہ نہیں آتا !

اُداسی ہی اُداسی ہے !!!

خیالوں میں

سوالوں میں

کسی کے رُوٹہ جانے میں

کسی کے مان جانے میں

کسی کے چھوڑ جانے میں

کسی کے لوٹ آنے میں

اُداسی ہی اُداسی ہے !!

وہ آنکھیں موندے، صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر
 ٹانگیں میز پر پھیلائے لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھا ہوا
 تھا۔ اس کا داہنا پاؤں مسلسل ہلتا اس کے اندر کی بے
 چینیوں کا پتہ دے رہا تھا۔ حویلی کے مکین اس پل اپنی
 اپنی خواب گاہوں میں گوشہ نشین ہو چکے تھے اور یقیناً
 اسی وہم میں مبتلا تھے کہ وہ بھی اپنی خواب گاہ میں ہی
 آرام فرما ہوگا لیکن یہاں معاملہ ہی الٹا تھا۔ وہ چاہ کر
 بھی اس کمرے میں داخل نہیں ہو پایا تھا جہاں گلاب
 کی مہکتی پتیوں کے درمیان وہ سولہ سنگھار کیے اس کی

منتظر تھی۔ لیکن وہ دل میں اُس کے قرب کی شدید
 خواہش کے رکھنے کے باوجود اس کے پاس جانے کی
 ہمت نہیں جٹا پا رہا تھا کہ وصل سے پہلے ہی اسے ہجر
 کے کے الہام ہو رہے تھے۔ مہربان عالم شاہ اچھے سے
 جانتا تھا کہ کل کا ڈوبتا سورج اس کے لیے کوئی
 خوبصورت منظر پیش نہیں کرے گا۔ ولید شاہ اور زہرہ
 نور کی ولیمہ کے تقریب میں شمولیت یقیناً ایسے سوالات
 ابھارنے والی تھی جن کے جواب میں وہ مرحہ سے
 محروم بھی ہو سکتا تھا۔ اپنے اندر اڈتی وحشتوں سے گھبرا

کر اس نے آنکھیں کھول لیں۔ تبھی اتفاقاً کچن کی جانب جاتی ناجیہ بیگم کی نظر اس پر پڑی تھی۔ حیران و پریشان سی ہوتی وہ اس کی جانب آ گئیں۔

"عالم۔۔؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو بیٹے۔۔؟ کمرے میں کیوں نہیں گئے۔۔!" گھوم کر اس کے سامنے آتی وہ تشویش ناک انداز میں بولیں تو عالم نے آنکھیں کھول کر اُن کی جانب دیکھا۔ انہیں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ پل بھر کو چونک گیا۔

"وہ اماں۔۔ سر میں درد ہو رہا تھا۔ طبیعت کچھ بو جھل سی ہے تو۔۔" اسے سمجھ نہ آئی کہ وقتی طور پر انہیں کیا جواب دے سو غائب دماغی کا مظاہرہ کرتا وہ انہیں چونکا گیا۔

"عالم۔۔ کیا چھپا رہے ہو۔۔؟ کوئی بات ہوئی ہے۔۔؟؟" اس کے سر پر ہاتھ رکھتی وہ نرم ڈپٹنے والے لہجے میں بولیں تو عالم نے بے بسی کے شدید احساس تلے ان کی جانب دیکھا۔

"اماں میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے،
اگر چاچو اسے ساتھ لے گئے تو۔۔؟؟" ٹیک چھوڑ کر
سیدھا ہو کر بیٹھتا وہ معصومیت سے بولا۔ آنکھوں میں
سرخی ابھر رہی تھی۔

"تم پاگل ہو عالم۔۔ وہ اسے ساتھ کیوں لے کر جائے
گا؟؟ بیوی ہے وہ تمہاری۔۔ کوئی اسے تم سے الگ نہیں
کر سکتا۔۔!" ناجیہ بیگم نے متانت بھرے انداز میں کہا۔
"اور اگر وہ خود چلی گئی تو۔۔؟ کیا میں اس پر جبر کر
پاؤں گا۔۔؟ اماں۔۔ میں اسے زبردستی اپنے پاس نہیں

روک سکوں گا۔۔ میرا یقین کریں مجھے آنے والے وقت کی خوفناک آہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔۔!" انکا ہاتھ تھامتا وہ کسی چھوٹے سے خوفزدہ بچے کی مانند بولا۔

"آنے والے وقت کی اچھائی یا برائی کی آگاہی تو صرف اللہ ہی کو ہے میرے چاند۔۔ جو وقت ابھی آیا ہی نہیں اس کے لیے فکر مند ہو کر تم کیوں اس خوبصورت وقت کو برباد کر رہے ہو جو تمہارے پاس موجود ہے۔۔؟؟" پیشانی پر بکھرے اس کے بال محبت سے

سمیٹتے ہوئے وہ رسائیت سے گویا ہوئیں تو وہ پل بھر کو
کچھ بولنے کے قابل نہ رہا۔

"تم اسے کھونے کا کیوں سوچ رہے ہو عالم۔۔؟ یہ کیوں
نہیں سوچتے کہ وہ اپنے ماں باپ کو پالے گی، وہ اپنی
پہچان پالے گی۔۔ اس کا وہ احساس کمتری جو شاید تمہاری
محبت بھی اس کی آخری سانس تک ختم نہ کر پاتی، وہ
ایک پہچان مل جانے پر ہی ختم ہو جائے گا۔ کیا تم
نہیں چاہتے کہ وہ سر اٹھا کر جیے۔۔؟ کیا تم نہیں چاہتے
کہ اس حویلی کے مکین اسے ویسی ہی عزت دیں جس کی

وہ حقدار ہے۔۔؟؟" وہ اسے اپنی ذات کے غم سے نکال کر مرحہ کی خوشیوں کی جانب لا رہی تھیں اور ان کی باتیں سنتا وہ مبہم سا مسکرا بھی دیا۔۔

"میں ایسا کیوں نہیں چاہوں گا اماں۔۔؟ میں تو خود چاہتا ہوں کہ وہ کبھی خود کو کمتر نہ سمجھے۔۔ لیکن جو خوف مجھے کھا رہا ہے وہ اس کی اذیت کا بھی تو ہے۔۔!" عالم نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسی اذیت۔۔؟ یہ انکشاف یقیناً اس کے لیے خوش کن ہو گا کہ وہ ایک سید زادی ہے۔۔ رہی بات تم سے

دوری کی تو اسے یہ کون بتائے گا کہ تم یہ حقیقت جانتے تھے کہ وہ کون ہے۔۔؟ اگر اسے کسی سے شکوہ ہو گا تو وہ ماموں سرکار ہیں اور وہ اس کی ناراضگی ڈیزرو بھی کرتے ہیں۔۔!" ناجیہ بیگم نے اسے ہلکا کرنے کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔!" بوجھل دل لیے وہ آہستگی سے کہتا کھڑا ہو گیا۔۔

"اب اپنے کمرے میں جاؤ۔۔ اسے مزید انتظار مت کرواؤ۔۔ کل کی فکر میں، اپنا آج خراب کرنے والے

دور اندیش نہیں، بے وقوف ہوتے ہیں۔۔۔ اور مجھے
 افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے آج بے
 وقوفی کی انتہا کی ہے،۔۔۔ مجھے تم سے یہ امید بالکل نہیں
 تھی۔۔۔! "قدرے خفگی بھرے لہجے میں بولتی ناجیہ بیگم
 نے اس کی طبیعت صاف کی تو وہ اپنے بالوں میں ہاتھ
 چلاتا مسکرا دیا۔ لیکن آنکھیں اس کا ساتھ دینے سے
 انکاری ہو رہی تھیں۔ کچھ تھا جو ہنوز اسے کھٹک رہا
 تھا۔ کیا۔۔۔؟؟ وہ اس پل کوشش کے باوجود سمجھ نہیں

پارہا تھا۔ ان سے اجازت لے کر وہ اپنے کمرے کی جانب آگیا۔

دروازہ کھولتے ہی اس کی نگاہ دائیں جانب گھومی تھی۔ جہازی سائز بیڈ پر سائیڈ لیپ کی مدھم روشنی پڑ رہی تھی۔ جس کے باعث کمرے کے اندھیرے میں مدھم زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لائٹس آن کیے بغیر وہ قدم قدم چلتا اس کی جانب آگیا جو پاؤں پھیلانے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ قریب جانے پر اس کی نظر مرحہ کی بند پلکوں پر پڑی

تو اس کے لب دھیرے سے مسکرا دیے۔۔ وہ سو رہی تھی اور یہ عالم کے لیے کچھ انوکھی بات بھی نہ تھی۔۔ رات کے جس پہر وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا اس پہر تک جاگنا اس نازک جاں کے بس کی بات تھی بھی نہیں۔۔ نرم نگاہوں سے اس کا سجا سنورا روپ دیکھتا وہ اس کے پیروں کی پاس بیڈ کی پائنٹی بیٹھ گیا۔۔ فرصت سے بنے اس کے نقوش مہارت سے کیے گئے میک اپ کے باعث مزید نکھر گئے تھے۔ نتھ سے محروم اس کی چھوٹی سی ناک ایسے بھی پیاری لگ رہی تھی۔